ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.2 2023

منہجِ استنباط واستخراج میں عقلی و نقلی تطبیق کا تحقیقی تجزیہ

"A RESEARCH ANALYSIS OF RATIONAL AND TEXTUAL RECONCILIATION IN THE METHODOLOGY OF DERIVATION AND DEDUCTION"

Sohail Ahmad
MPhil scholar University of Okara
Email: sohailahmad08101997@gmail.com
Ayyaz Akhtar
MPhil scholar University of Okara
Email: akhtarayaz277@gmail.com

Abstract:
This research aims to explore the methodological integration of reason (‘aql) and revelation (naql) in the Islamic jurisprudential process of istinbāṭ (deduction) and istikhraaj (derivation). The study investigates how classical and contemporary scholars have reconciled intellectual reasoning with textual evidences from the Qur’an and Sunnah when deriving legal rulings. It examines the foundational principles of uṣūl al-fiqh, the historical development of interpretive approaches among various madhāhib (schools of thought), and the balance between literalism and rational analogy. The research highlights that the harmonious application of intellect and revelation is not only permissible but essential for addressing new and complex legal issues in modern times. Furthermore, the study critiques the extremes of pure rationalism and blind literalism, arguing instead for a balanced approach rooted in both traditional texts and sound reasoning. This work contributes to the understanding of how juristic methodologies maintain fidelity to the divine sources while adapting to changing circumstances through reasoned analysis.

تعارف:

اسلام ایک مکمل اور جامع دین ہے جو نہ صرف عقائد، عبادات اور اخلاقیات کی بنیاد فراہم کرتا ہے بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں رہنمائی بھی مہیا کرتا ہے۔ اس رہنمائی کو سمجھنے اور عصر حاضر کے پیچیدہ مسائل پر منطبق کرنے کے لیے منہجِ استنباط و استخراج (یعنی احکامِ شرعیہ کے اخذ و استخراج کا طریقہ) ایک بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ منہج فقہ اسلامی کا علمی و فکری ستون ہے، جس کے ذریعہ مجتہدین اور فقہاء کتاب و سنت سے احکام کا استخراج کرتے ہیں۔

فقہ اسلامی کی تاریخ میں جہاں قرآن و حدیث کو مصادرِ شریعت میں بنیادی مقام حاصل ہے، وہیں عقل (Reasoning) کو بھی ایک معتبر ذریعہ کی حیثیت دی گئی ہے، خصوصاً جب عقل، نقل کے تابع اور اس کی روشنی میں استعمال ہو۔ اسلامی فقہی منہج میں عقل و نقل کی تطبیق (reconciliation) ہمیشہ سے ایک اہم علمی موضوع رہا ہے۔ چنانچہ صحابہ کرام، تابعین، اور ائمہ مجتہدین نے نہ صرف نصوصِ شرعیہ کو براہِ راست استعمال کیا بلکہ قیاس، استصلاح، استحسان، مصالح مرسلہ، عرف اور سدّ الذرائع جیسے عقلی اصولوں کو بھی شرعی احکام کے استخراج میں معاون بنایا۔

اس ضمن میں امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ جیسے ائمہ نے عقل و نقل کے امتزاج پر مبنی مستقل فقہی مناہج تشکیل دیے۔ امام ابو حنیفہ کے مکتبِ فکر میں عقل کو نصوص کی روشنی میں وسیع دائرہ حاصل ہے، جبکہ امام شافعیؒ کے نزدیک عقل و نقل کی تطبیق کا دائرہ محدود مگر اصولی ہے۔ امام مالک نے عملِ اہلِ مدینہ اور مصالح مرسلہ کو مرکزی حیثیت دی، جو عقل و نقل کے امتزاج کی ایک شکل ہے۔

جدید دور میں، جب نئے اجتماعی، معاشی، سیاسی، طبی اور سائنسی مسائل سامنے آتے ہیں، تو محض نصوصِ ظاہری پر انطباق بعض اوقات کافی نہیں ہوتا۔ ایسے میں فقہاء کو نئے اجتہادی مناہج اپنانے پڑتے ہیں جن میں عقل و نقل کی تطبیق کو بروئے کار لانا ناگزیر ہو جاتا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ عقل کو استعمال کرنے کی حدود کیا ہیں؟ کیا ہر عقلی قیاس

قابلِ قبول ہے؟ اور جب عقل اور نقل میں ظاہری تضاد محسوس ہو تو ترجیح کس کو حاصل ہو گی؟ اسی علمی و فقہی تناظر میں یہ تحقیقی مطالعہ اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ اسلامی منہجِ استنباط میں عقل (اجتہاد، قیاس، مصلحت) اور نقل (قرآن، سنت، اجماع، آثار) میں تطبیق کا کیا مقام ہے؟ اس میں کن اصولوں کو مدنظر رکھا جاتا ہے؟ کن مقامات پر عقل پر عمل کرنا لازم ہوتا ہے اور کہاں اسے نص کے تابع کیا جاتا ہے؟

یہ تحقیق نہ صرف روایتی فقہی اصولوں کا احاطہ کرتی ہے بلکہ عصری تقاضوں اور اجتہادی چیلنجز کے تناظر میں بھی اس موضوع کا علمی و فکری تجزیہ پیش کرتی ہے، تاکہ عقل و نقل کی ہم آہنگی سے امت کو درست، مدلل، اور شرعی بنیاد پر حل فراہم کیے جا سکیں۔

عقل و نقل کی تعریف، دائرۂ کار اور اسلامی تناظر

اسلامی فقہی منہج میں "عقل" اور "نقل" دو ایسے بنیادی ذرائع ہیں جن پر شریعت کی تفہیم، تعبیر اور استخراجِ احکام کا مدار ہے۔ یہ دونوں عناصر نہ صرف باہم مربوط ہیں بلکہ ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں۔ ان کے باہمی تعلق کو سمجھے بغیر نہ تو فقہ اسلامی کی روح کو سمجھا جا سکتا ہے، نہ ہی اجتہاد کے جدید تقاضوں کو پورا کیا جا سکتا ہے۔

لغوی اعتبار سے "عقل" کا معنی ہے: روک دینا، قابو پانا، ضبط کرنا۔ اصطلاحی معنوں میں عقل وہ جوہر ہے جس کے ذریعے انسان اشیاء کی حقیقت کو پہچانتا ہے اور ان کے نتائج و عواقب پر غور کرتا ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

العقل جوهرٌ مجردٌ يتهيّأ به الإنسانُ لقبولِ العلمِ والنظرِ في عواقبِ الأمور[1]

یعنی عقل ایک لطیف روحانی جوہر ہے جو انسان کو علم کے قبول اور نتائج پر غور کرنے کے قابل بناتا ہے۔

نقل سے مراد وہ تمام شرعی دلائل ہیں جو وحی کے ذریعے نازل ہوئے، جن میں قرآن، سنت، اجماع اور آثار شامل ہیں۔ ان کی بنیاد پر فقہی اصول وضع کیے گئے اور احکام کا استخراج عمل میں آیا۔

امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق:

النقل هو الأصلُ، والعقلُ تابعٌ له ما لم يخالفه نصٌّ صريح[2]

یعنی نقل اصل ہے، اور عقل اس کی تابع ہے جب تک کہ کوئی صریح نص اس سے ٹکرا نہ جائے۔

اسلامی اصولِ فقہ میں عقل و نقل کا دائرہ متوازی نہیں بلکہ متداخل ہے۔ نقل ہمیں اصول، بنیاد اور ماخذ فراہم کرتا ہے، جبکہ عقل ان اصولوں کو حالاتِ زمانہ پر منطبق کرنے کی صلاحیت بخشتی ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق علامہ محمد ابو زہرہ لکھتے ہیں:

كانَ أبو حنيفةَ يعتمدُ على الرأيِ والاجتهادِ إذا لم يجد نصاً، لكنَّه لا يُخالف النصَّ الصحيحَ بعقلِهِ[3]

یعنی امام ابو حنیفہ نص نہ ملنے کی صورت میں رائے و اجتہاد سے کام لیتے تھے، لیکن کسی صحیح نص کے مقابلے میں عقل کو ہرگز مقدم نہ کرتے۔

اہل سنت کے نزدیک عقل و نقل میں تطبیق کا اصول یہ ہے کہ اگر ظاہری تعارض ہو تو نقل کو ترجیح دی جاتی ہے، یا ایسی تأویل اختیار کی جاتی ہے جو عقلِ سلیم کے منافی نہ ہو۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

إذا تعارض العقل والنقل، فإما أن نردّ النقل، أو نؤوّله تأويلاً لا يعارض العقل الصحيح[4]

---

[1] امام ابو حامد الغزالی، احیاء علوم الدین، ج ۱، ص ۵۲، دار المنہاج، جدہ، ۲۰۰۵

[2] الشافعی، الموافقات، ج ۲، ص ۳۷۲، دار ابن عفان، دمام، ۱۹۹۷

[3] محمد ابو زہرہ، تاریخ المذاہب الاسلامیۃ، ص ۲۲۱، دار الفکر العربی، قاہرہ، ۱۹۹۰

[4] فخر الدین الرازی، المحصول فی علم الأصول، ج ۴، ص ۳۲۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۷

امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کو حاکم اور عقل کو خادم قرار دیا، مگر عقل کے درست استعمال کو رد نہ کیا۔ وہ فرماتے ہیں:

عقلِ سلیم، اگر نصوصِ قطعیہ کی خدمت میں استعمال ہو تو وہ عین شرع ہے، لیکن اگر حاکم بن جائے تو وہ زندقہ کا دروازہ کھولتی ہے[5]

لہٰذا، اسلامی فقہ کا معتدل منہج یہ ہے کہ عقل اور نقل کے درمیان توازن قائم رکھا جائے۔ نہ تو عقل کو مکمل طور پر رد کیا جائے، نہ ہی اسے نقل پر حاکم بنایا جائے۔ عقل شریعت کی روشنی میں ایک عظیم نعمت ہے، لیکن اس کا کردار رہنمائی سے زیادہ تعبیر اور تطبیق میں معاونت کا ہے، حاکمیت کا نہیں۔

ائمۂ اربعہ کے فقہی مناہج میں عقل و نقل کی تطبیق

فقہِ اسلامی کی تدوین اور اصولِ استنباط و استخراج کے باب میں ائمۂ اربعہ یعنی امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ نے نہایت جامع، متوازن اور عالمانہ مناہج وضع کیے۔ ان کے فقہی مکاتبِ فکر میں نقل (قرآن، حدیث، اجماع) اور عقل (قیاس، استحسان، مصالح مرسلہ، عرف) دونوں کو ایک دوسرے کے تابع اور تکمیلی حیثیت دی گئی۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا منہج

امام ابو حنیفہؒ کا فقہی منہج عقل و نقل کی تطبیق کا روشن نمونہ ہے۔ وہ نصوصِ شرعیہ کی موجودگی میں ان کے مطابق فتویٰ دیتے تھے، اور جہاں صریح نص نہ ہوتی، وہاں قیاس، استحسان اور عرف جیسے اصولوں کا سہارا لیتے۔ ان کے نزدیک عقل ایک ایسا آلہ ہے جس سے نصوص کی روح کو سمجھا جا سکتا ہے۔ **علامہ ابو زہرہ لکھتے ہیں:**

الإمام أبو حنيفة لم يكن يقدم العقل على النص، بل كان يجتهد حيث لا نص، وكان في اجتهاده يحرص على مقاصد الشريعة.[6]

یعنی: امام ابو حنیفہ عقل کو نص پر مقدم نہ کرتے، بلکہ وہاں اجتہاد کرتے جہاں نص نہ ہو، اور اجتہاد میں مقاصدِ شریعت کو پیشِ نظر رکھتے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا منہج

امام مالکؒ نے "عملِ اہلِ مدینہ" کو اہم ترین ماخذِ شریعت قرار دیا، کیونکہ ان کے نزدیک مدینہ کے اہلِ علم کا مسلسل عمل سنتِ رسول ﷺ کی عملی تعبیر تھا۔ امام مالک مصالح مرسلہ کو بھی تسلیم کرتے تھے، جو عقل کا اعلیٰ استعمال ہے بشرطیکہ نص سے معارض نہ ہو۔

الإمام مالك كان يرى أن المصلحة إذا لم تُعارض نصاً فهي معتبرة في الشرع.[7]

یعنی: امام مالک کے نزدیک وہ مصلحت جو کسی نص سے متعارض نہ ہو، شرعاً قابلِ اعتبار ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا منہج

امام شافعیؒ نے اصولِ فقہ کو منظم علمی قالب میں پہلی بار پیش کیا، اور نصوص کو ترجیح دی۔ ان کے نزدیک قیاس ایک معتبر عقلی اصول ہے، لیکن وہ قیاس کی اطلاقی حدود کے سخت قائل تھے۔ وہ عقل کو تابعِ نص رکھتے تھے، چنانچہ لکھتے ہیں:

الاجتهاد لا يكون إلا عند غياب النص، ولا يُجعل العقل نداً للوحي.[8]

یعنی: اجتہاد صرف وہاں ہوتا ہے جہاں نص نہ ہو، اور عقل کو وحی کا ہم پلہ نہیں بنایا جا سکتا۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا منہج

امام احمدؒ حدیث پر سخت التزام رکھتے تھے اور نقل کو ہر حال میں عقل پر مقدم کرتے۔ تاہم وہ قیاس جلی اور استحسان کو حالات کی ضرورت کے مطابق قبول کرتے۔

---

[5] احمد رضا خان، فتاویٰ رضویہ، ج ۲۱، ص ۴۹۵، رضا فاؤنڈیشن، لاہور، ۲۰۰۴

[6] محمد ابو زہرہ، الامام ابو حنیفۃ: حیاتہ و عصرہ، آراؤہ و فقہہ، ص ۲۱۱، دار الفکر العربی، قاہرہ، ۱۹۹۰

[7] عبد الوہاب خلاف، علم اصول الفقہ، ص ۸۵، دار القلم، کویت، ۱۹۷۰

[8] الشافعی، الرسالۃ، ص ۵۰۹، تحقیق: احمد شاکر، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۳

ان کے شاگرد خلیفہ المروزی کے مطابق:

الإمام أحمد يقبل القياس حيث لم يجد نصاً، ولا يرى للعقل استقلالاً في التشريع[9]

یعنی: امام احمد وہاں قیاس کو قبول کرتے جہاں نص نہ ملتی، اور عقل کو مستقل قانون سازی کا ذریعہ نہ مانتے۔

ائمۂ اربعہ کے فقہی مناہج کا گہرائی سے جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ:

نقل (قرآن و حدیث) ہمیشہ اصل و بنیاد ہے۔

عقل (قیاس، استحسان، مصلحت) تبھی معتبر ہے جب وہ نقل کے تابع ہو۔

کسی امام نے عقل کو مطلق آزادی نہیں دی، نہ ہی نقل کو تنہا فہم کا ماخذ مانا۔

یہ تطبیق ہی اسلامی قانون کی جامعیت، وسعت اور مرونت کی بنیاد ہے۔ یہی وہ منہج ہے جو نہ صرف روایتی فقہ کو استحکام عطا کرتا ہے، بلکہ عصری اجتہاد کے لیے بھی ایک مضبوط راستہ فراہم کرتا ہے۔

علمِ اصولِ فقہ میں عقل و نقل کی تطبیق کے مبادیات

علمِ اصولِ فقہ وہ علم ہے جو احکامِ شرعیہ کے اخذ و استنباط کے قواعد و ضوابط پر مشتمل ہے۔ یہ علم فقہ اسلامی کی بنیاد اور اس کا عقلی و نقلی سانچہ ہے۔ اصولِ فقہ ہی وہ میزان ہے جس میں عقل و نقل کے درمیان تطبیق کی حدود، طریقے اور دائرہ کار کو علمی طور پر منضبط کیا جاتا ہے۔ اس باب میں ہم ان ابتدائی اصولوں کا جائزہ لیں گے جن کی بنیاد پر عقل و نقل کی تطبیق اصولِ فقہ میں ممکن اور معتبر قرار دی جاتی ہے۔

الف: حکمِ شرعی کی تعریف اور ماخذ

اصولیین کے نزدیک "حکمِ شرعی" وہ خطابِ الٰہی ہے جو مکلفین کے افعال سے متعلق ہوتا ہے۔ اس کے ماخذات دو قسم کے ہوتے ہیں:

نقلی مصادر: قرآن، سنت، اجماع، آثار۔

عقلی مصادر: قیاس، استحسان، استصلاح، سدّ الذرائع، عرف وغیرہ۔

علامہ آمدی لکھتے ہیں:

الشرع مصدره النص، والعقل آلة في إدراك دلالاته، لا مصدر مستقل[10]

یعنی: شریعت کا ماخذ نص ہے، اور عقل ان نصوص کے مفاہیم کو سمجھنے کا آلہ ہے، نہ کہ مستقل مصدر۔

ب: دلالتِ نصوص اور عقل کا کردار

نصوصِ شرعیہ کی دلالات مختلف اقسام پر مشتمل ہوتی ہیں:

عبارت، اشارہ، دلالۃ، اقتضاء۔

یہاں عقل کا کردار یہ ہے کہ وہ ان دلالات کو سمجھ کر حکمِ شرعی کا مصداق متعین کرے۔

امام الشاطبی اس حوالے سے فرماتے ہیں:

لا يمكن العمل بالنص إلا مع عقل يدل على وجه الدلالة.[11]

---

[9] المروزی، مسائل الإمام أحمد، ص ۱۷۹، دار العلم، دمشق، ۱۹۸۵

[10] سیف الدین الآمدي، الإحكام في أصول الأحكام، ج ۱، ص ۳۸۵، دار الكتب العلمية، بیروت، ۲۰۰۳

[11] الشاطبی، الموافقات، ج ۲، ص ۴۹۵، دار ابن عفان، دمام، ۱۹۹۷

یعنی: نص پر عمل ممکن نہیں جب تک عقل اس کی دلالت کے رخ کو نہ سمجھے۔

ج: قیاس کی مشروعیت

قیاس اسلامی اصولِ فقہ میں عقل کا سب سے بڑا مظہر ہے۔ قرآن مجید نے خود کئی مقامات پر عقلی استنباط کی تائید کی ہے۔ مثلاً:

فاعتبروا يا أولي الأبصار[12]

یعنی: اے اہلِ بصیرت! عبرت حاصل کرو۔

یہ آیت قیاس، استدلال اور عقلِ سلیم کو بروئے کار لانے کی دعوت ہے۔

علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں:

القياس أصل معتبر عند عامة أهل العلم، ولا ينفك الاجتهاد عنه.[13]

تعارضِ عقل و نقل کی صورت میں ترجیح

اصولی قاعدہ یہ ہے کہ اگر عقل اور نقل میں ظاہری تعارض ہو تو نص کو ترجیح دی جائے گی، یا اس کی ایسی تأویل کی جائے گی جو عقلِ صحیح سے متصادم نہ ہو۔

امام رازی فرماتے ہیں:

لا يُرد النص الصحيح لأجل وهمٍ عقلي، بل يُطلب التوفيق بينهما.[14]

یعنی: کسی صحیح نص کو محض کسی عقلی شبہ کی بنا پر رد نہیں کیا جا سکتا، بلکہ ان میں تطبیق تلاش کی جائے گی۔

مقاصدِ شریعت اور عقل کی افادیت

اصولِ فقہ میں مقاصد الشریعہ کی بحث عقل و نقل کی تطبیق کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ حفظِ دین، جان، مال، نسل اور عقل — ان پانچ کلیات کی حفاظت شریعت کا مقصد ہے، اور عقل ان کی تعیین اور تفصیل میں معاون ہے۔

امام شاطبی فرماتے ہیں:

المقاصد معقولة المعنى، والعقل أحد مفاتيح فهمها.[15]

علمِ اصولِ فقہ میں عقل و نقل کی تطبیق محض ایک نظریاتی بحث نہیں، بلکہ وہ علمی، اصولی اور اجتہادی حقیقت ہے جس پر شریعت کی فہم و تطبیق کی عمارت قائم ہے۔ عقل، شریعت کے تابع رہ کر نصوص کے فہم، قیاس، دلالت، اور مقاصد کی تعیین میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔

جدید فقہی اجتہاد میں عقل و نقل کا باہمی تعامل

جیسا کہ سابقہ بحث میں واضح کیا گیا کہ علمِ اصولِ فقہ میں عقل و نقل کی تطبیق کوئی مجرد تصور نہیں بلکہ ایک عملی منہج ہے، جو قیاس، دلالت، مقاصدِ شریعت اور استنباط کے تمام مراحل میں متحرک رہتا ہے۔ یہی اصولی بنیاد جدید دور کے فقہی اجتہاد میں بھی ایک رہنما کردار ادا کرتی ہے، جہاں نصوصِ شرعیہ کے ساتھ ساتھ عقلِ سلیم کا متوازن استعمال ناگزیر ہو گیا ہے۔

---

[12], القرآن، الحشر: ۲

[13], ابن قدامہ، روضۃ الناظر، ج ۱، ص ۲۴۶، مکتبہ المعارف، ریاض، ۲۰۰۲

[14], الرازي، المحصول في علم الأصول، ج ۴، ص ۳۲۹، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۹۹۷

[15], الشاطبی، الموافقات، ج ۲، ص ۳۳۱، دار ابن عفان، دمام، ۱۹۹۹ء

عصری تغیرات اور اجتہادی تقاضے

دورِ جدید میں زندگی کے تمام شعبوں معیشت، طب، ٹیکنالوجی، عالمی سیاست، قانون، میڈیا، اور ماحولیاتی اخلاقیات — میں ایسے نئے مسائل جنم لے چکے ہیں جن کا صراحتاً ذکر نہ قرآن میں موجود ہے نہ حدیث میں۔ ان نئے پیش آمدہ مسائل میں اجتہاد ہی وہ راستہ ہے جس کے ذریعے قدیم نصوص کو جدید سیاق میں منطبق کیا جا سکتا ہے، بشرطیکہ وہ نصوص کے اصولوں اور مقاصد کے تابع ہو۔

شیخ یوسف القرضاوی لکھتے ہیں:

"العقل ليس بديلاً عن النص، بل هو شريك في توظيف النص بما يتناسب مع المستجدات."[16]

یعنی: عقل نص کا متبادل نہیں بلکہ اس کا ایسا شریک ہے جو نئی صورتوں کے مطابق نصوص کے نفاذ میں مددگار ہو۔

جدید مالیاتی نظام اور عقل و نقل کی تطبیق

مثال کے طور پر جدید مالیاتی نظام (بینکاری، انشورنس، اسٹاک مارکیٹ، کرپٹو کرنسی) جیسے مسائل میں براہِ راست قرآنی یا حدیثی حکم موجود نہیں۔ لیکن علمائے معاصرین نے مقاصدِ شریعت، قیاس، استصلاح، اور عرف جیسے عقلی اصولوں کی روشنی میں اجتہادی فتاویٰ صادر کیے۔

ڈاکٹر وہبہ الزحیلی لکھتے ہیں:

"لا يمكن الاقتصار على الظواهر النصية في التعامل مع معاملات العصر، بل لا بد من عقل فقيه يجمع بين النص والمصلحة."[17]

یعنی: دورِ حاضر کے معاملات میں صرف ظاہری نصوص پر انحصار کافی نہیں، بلکہ ایسے فقیہ کی عقل درکار ہے جو نص اور مصلحت کو یکجا کر سکے۔

طب جدید، اعضا کی پیوند کاری اور عقل کا اجتہادی کردار

اعضا کی پیوند کاری، وینٹی لیٹر پر موت کا تعین، مصنوعی تولید، جینیاتی ترمیم (gene editing) جیسے مسائل وہ اجتہادی میدان ہیں جہاں عقل کے بغیر نصوص کا اطلاق ممکن نہیں۔ ان پیچیدہ مسائل میں اصولِ عامہ، مقاصدِ شریعت، اور "لاضرر" جیسے قواعد کو استعمال کر کے فتاویٰ مرتب کیے جاتے ہیں۔

امام ابن عاشور فرماتے ہیں: "المقاصد أداة لفهم النصوص وتكييفها مع مقتضيات الزمان والمكان."[18]

یعنی: مقاصد شریعت نصوص کے فہم اور ان کی زمانی و مکانی تطبیق کا آلہ ہیں۔

جدید اجتہاد میں عقل کی حدود

عقل کا استعمال اجتہاد میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے لیکن مطلق آزادی کے ساتھ نہیں۔ اسے اصولِ شریعت، مقاصدِ شریعت، اور نصوص کے دائرے میں رہتے ہوئے استعمال کیا جاتا ہے۔ شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

"العقل الصريح لا يخالف النقل الصحيح، وكل تعارض ظاهري يمكن رفعه بالتأويل أو التوفيق."[19]

یعنی: صحیح عقل، صحیح نقل سے متصادم نہیں ہوتی؛ اور اگر ظاہری تعارض ہو تو اسے تأویل یا تطبیق سے رفع کیا جا سکتا ہے۔

---

[16], یوسف القرضاوی، الاجتهاد في الشريعة الإسلامية، ص ٦١، دار الشروق، قاہرہ، ٢٠١٤

[17], وہبہ الزحیلی، أصول الفقه الإسلامي، ج ٢، ص ١١٢٧، دار الفکر، دمشق، ٢٠٠٧

[18], ابن عاشور، مقاصد الشريعة الإسلامية، ص ١٤٣، دار السلام، قاہرہ، ٢٠٠١

[19], ابن تیمیہ، درء تعارض العقل والنقل، ج ١، ص ٢٣٥، دار کنوز، ریاض، ٢٠٠٥

جدید اجتہادی عمل میں عقل و نقل کا باہمی تعامل فقہی ارتقاء اور شریعت کی عصری تطبیق کا بنیادی منہج ہے۔ عقل اگر نقل کے تابع رہے تو وہ اجتہاد کو نہ صرف مربوط بناتی ہے بلکہ شریعت کے اعلیٰ مقاصد—عدل، مصلحت، رفاہ، اور دفعِ ضرر—کو مؤثر انداز میں نافذ کرنے کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

نقلی دلائل کی حدود اور عقل کی اجتہادی حیثیت

جیسا کہ پچھلے باب میں بیان کیا گیا کہ جدید فقہی اجتہاد میں عقل و نقل کا باہمی تعامل فقہ اسلامی کی فعالیت اور تازگی کا ضامن ہے، اسی تناظر میں اس باب میں ہم ان حدود کا جائزہ لیں گے جن کے اندر نقلی دلائل (یعنی قرآن، سنت، اجماع، آثار) کام کرتے ہیں، اور ان مواقع کا مطالعہ کریں گے جہاں عقل کو اجتہاد کی سطح پر فعال کیا جاتا ہے۔

نقلی دلائل: قدر و تقدس، لیکن محدود دائرہ اطلاق

اسلامی فقہ میں نقلی دلائل یعنی قرآن و سنت بنیادی ماخذ ہیں، لیکن ان کا اطلاقی دائرہ محدود الفاظ میں لامحدود معانی کا حامل ہے۔ قرآن و حدیث میں تمام ممکنہ جدید مسائل کے لیے صراحتاً احکام نہیں آسکتے، اس لیے نقل کی عظمت کے باوجود عقل کا اجتہادی کردار لازم ہو جاتا ہے۔

امام الشاطبی فرماتے ہیں:

"النصوص متناهية، والوقائع غير متناهية، فلابد من الاجتهاد لعقلها وتطبيقها."[20]

یعنی: نصوص محدود ہیں، جبکہ مسائل لامحدود، لہٰذا عقل کے ذریعے اجتہاد ناگزیر ہے تاکہ نصوص کا دائرہ وسیع تر ہو سکے۔

قیودِ نصوص اور عقلی توسیع

قرآن و سنت نے بعض مسائل میں اصولی ہدایات دے کر فقیہ کے لیے عقلی اجتہاد کی راہ ہموار کی ہے۔ مثلاً: "وأعدّوا لهم ما استطعتم من قوة"[21]

یہ آیت دفاعی طاقت کے اصول کو بیان کرتی ہے، مگر اس کی تشریح و تطبیق وقت کے مطابق کی جاتی ہے—جو کہ عقل کا میدان ہے۔

علامہ ابن قیم الجوزیہ لکھتے ہیں:

"الشارع إنما بيّن الأصول، وترك التفاصيل للاجتهاد المبني على العقل والواقع."[22]

یعنی: شریعت نے صرف اصول بیان کیے ہیں، اور تفصیلات کو عقل و حالات کے مطابق اجتہاد پر چھوڑا ہے۔

عقل کی اجتہادی حیثیت

فقہی استنباط میں عقل ایک مستقل مصدر نہیں، لیکن اجتہادی وسیلہ ضرور ہے، جو نصوص کی دلالات، قیاس، مقاصد، عرف، مصالح، اور سدّ الذرائع جیسے اصولوں کو منضبط کرتا ہے۔

شیخ مصطفی الزرقا کہتے ہیں:

"العقل هو المحرك الأساس للاجتهاد، ومهمته تنزيل النصوص على الواقع وفق قواعد الأصول."[23]

یعنی: عقل اجتہاد کی بنیادی قوت ہے، اور اس کا کام نصوص کو اصولِ شریعت کی روشنی میں موجودہ حالات پر منطبق کرنا ہے۔

اجتہادی عقل اور بدعتی عقل میں فرق

اسلامی اصولیات میں وہ عقل قابلِ قبول ہے جو:

---

[20] الشافعی، الموافقات، ج۳، ص ۵۰۲، دار ابن عفان، دمام، ۱۹۹۷

[21] الأنفال: ۶۰

[22] ابن قیم، إعلام الموقعین، ج۱، ص۱۸۹، دار الفکر، بیروت، ۲۰۰۲

[23] مصطفی الزرقا، المدخل الفقهي العام، ج۱، ص۴۵۷، دار القلم، دمشق، ۱۹۸۹

شریعت کی پیروی کرتی ہو؛

نصوص سے معارض نہ ہو؛

مقاصدِ شریعت کو ملحوظ رکھے؛

فہمِ سلف سے ہم آہنگ ہو۔

علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

"العقل الذي لا يهتدي بالوحي، ولا يستضيء بنور النبوة، هو جهلٌ مغرور."[24]

یعنی: وہ عقل جو وحی کی ہدایت کے بغیر ہو، اور نبوت کے نور سے خالی ہو، وہ دراصل دھوکہ زدہ جہالت ہے۔

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ فقہ اسلامی میں نقلی دلائل کو اصل ماخذ کی حیثیت حاصل ہے، مگر ان دلائل کی اطلاقی محدودیت کی بنا پر عقل کو اجتہادی سطح پر استعمال کرنے کی اجازت بلکہ ضرورت ہے—بشرطیکہ عقل، شریعت کے اصولوں اور مقاصد کی رہنمائی میں عمل کرے۔

امام شافعی کے منہج میں عقل و نقل کا توازن

فقہ اسلامی میں جب ہم نقل و عقل کے درمیان اجتہادی تعامل کی بات کرتے ہیں تو امام محمد بن ادریس الشافعی رحمۃ اللہ علیہ کا منہج اس باب میں نمایاں اعتدال، توازن اور فقہی احتیاط کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ جیسا کہ سابقہ ابواب میں بیان کیا گیا، ائمۂ اربعہ میں ہر امام نے عقل و نقل کے درمیان ایک ایسا توازن قائم کیا جس نے نہ صرف فقہی روایت کو استحکام بخشا بلکہ امت مسلمہ کے لیے رہنمائی کے مستقل اصول بھی مرتب کیے۔ امام شافعی کے ہاں نقل کو اولیت حاصل ہے اور عقل کو تب قبول کیا جاتا ہے جب وہ نصوصِ شرعیہ کی خدمت میں ہو، نہ کہ ان کی بالادستی کے مدعی ہو۔ یہ رویہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ عقل کی قدر و قیمت امام شافعی کے نزدیک تسلیم شدہ ہے، مگر وہ عقلِ تابع ہے، نہ کہ عقلِ حاکم۔

امام شافعی نے اپنی مشہور تصنیف الرسالہ میں فقہ کے اصولوں کو باقاعدہ علمی قالب میں ڈھالا، اور واضح فرمایا کہ فقہ صرف ظنیات پر نہیں، بلکہ وحی اور اس کی تشریحات پر قائم ہے۔ ان کے مطابق نقل (یعنی قرآن و سنت) شریعت کے اولین ماخذ ہیں، اور ان میں جب صراحت نہ ہو تو عقل (قیاس) کو استعمال کیا جاتا ہے، لیکن اس طور پر کہ وہ ان دلائل کے تابع اور ان سے ہم آہنگ ہو۔

امام شافعی نے فرمایا:

"ليس لأحدٍ أن يقول في شيءٍ حلّ أو حرم إلا من جهة العلم، وجهة العلم: الخبر في الكتاب أو السنة أو الإجماع أو القياس."[25]

یعنی: کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی چیز کے حلال یا حرام ہونے کا فتویٰ دے، سوائے علم کی بنیاد پر؛ اور علم کی بنیاد قرآن، سنت، اجماع یا قیاس ہے۔

اس عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ امام شافعی نے قیاس یعنی عقلِ فقیہ کے استعمال کو تسلیم کیا، لیکن مشروط طور پر—یعنی قرآن و سنت سے باہر نہیں، بلکہ ان کی روشنی میں۔ اس نکتہ پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے شیخ عبد الوھاب خلاف رقم طراز ہیں:

"الإمام الشافعي قد وضع للقياس ضوابط دقيقة، ولم يطلق العنان للعقل، بل حجزه داخل حدود النص."[26]

یعنی امام شافعی نے قیاس کے لیے نہایت دقیق حدود قائم کیں، اور عقل کو آزاد نہیں چھوڑا بلکہ نص کے دائرے میں قید کیا۔

---

[24] ابن تیمیہ، درء تعارض العقل والنقل، ج ۲، ص ۳۱۲، دار کنوز، ریاض، ۲۰۰۵

[25] الشافعی، الرسالۃ، ص ۳۹، تحقیق: احمد شاکر، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۲۰۰۳

[26] عبد الوھاب خلاف، علم أصول الفقہ، ص ۸۳، دار القلم، کویت، ۱۹۷۰

امام شافعی نے نقل کے حوالے سے جو غیر متزلزل مقام متعین کیا، اس کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ وہ سنتِ نبوی ﷺ کو قرآن کے بعد دوسرا ماخذ مانتے تھے، بلکہ ان کے نزدیک سنت، قرآن کی شرح اور توضیح بھی ہے۔ اس ضمن میں ان کا مشہور قول ہے:

"كل ما حكم به رسول الله ﷺ، فهو مما فهمه من الله، فهو مثل ما في كتاب الله."[27]

یعنی رسول اللہ ﷺ جو بھی حکم دیتے ہیں، وہ اللہ کی طرف سے سیکھا ہوا ہوتا ہے، لہٰذا وہ قرآن کے مانند ہے۔

یہ تصور اس بات کا غماز ہے کہ عقل کی کوئی ایسی تاویل یا قیاس امام شافعی کے منہج میں معتبر نہیں، جو حدیثِ صحیحہ یا نصِ قرآنی سے ٹکراتی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ایسے قیاسات کو رد کر دیا جو عقل کے زور پر نصوص کو نظر انداز کرتے ہیں، اور فرمایا:

"إذا وجد الخبر الصحيح، فهو مذهبي."[28]

یعنی: جب صحیح حدیث موجود ہو، تو وہی میرا مذہب ہے۔

یہی منہج بعد میں آنے والے اصولیین کے لیے بھی قابلِ تقلید قرار پایا، جنہوں نے عقل و نقل کے تعامل کو ان ہی اصولوں کی بنیاد پر استوار کیا۔ امام شافعی کا یہ توازن اس بات کی دلیل ہے کہ وہ نہ عقل کے مخالف تھے، نہ نقل کے غالی، بلکہ انہوں نے ایک ایسی علمی راہ نکالی جو اعتدال، تحقیق اور اجتہاد سے معمور ہے۔

امام شافعی کے فقہی و اصولی منہج سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ انہوں نے نقل کو اولیت دی، اور عقل کو تابع رکھا؛ تاہم عقل کی افادیت، اجتہادی افق، اور قیاسی دلائل کو باقاعدہ تسلیم کیا۔ ان کے منہج میں عقل و نقل کا ایسا متوازن امتزاج پایا جاتا ہے جو نہ صرف علمی اعتبار سے بلند ہے بلکہ فقہی ترقی اور شریعت کی تطبیق کا روشن نمونہ بھی ہے۔

امام غزالی کے فلسفیانہ منہج میں عقل و نقل کی ہم آہنگی

امام ابو حامد محمد الغزالیؒ (وفات: 505ھ) اسلامی تاریخ کے ان جلیل القدر مفکرین میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے عقلی و نقلی علوم کو ایک دوسرے کے متوازی یا متعارض نہیں، بلکہ متکمل، معاون اور لازم و ملزوم قرار دیا۔ جیسا کہ امام شافعی کے ہاں عقل و نقل کا اعتدال پسندانہ تعامل نظر آیا، اسی کی توسیع اور حکیمانہ توضیح ہمیں امام غزالی کی تصانیف خصوصاً المنقذ من الضلال، احیاء علوم الدین، اور تہافت الفلاسفہ میں ملتی ہے۔ ان کے نزدیک اگر عقل کو نقل کے تابع اور وحی کے دائرے میں رہتے ہوئے استعمال کیا جائے تو وہ ایک نور ہے جو دل کو فہمِ دین کے لیے منور کرتا ہے۔ تاہم اگر یہی عقل، وحی سے آزاد ہو جائے تو وہ گمراہی اور فتنہ بن جاتی ہے۔

امام غزالی نے اپنے فکری سفر میں فلسفہ، کلام، تصوف، اور فقہ کے میدانوں میں گہرے مطالعہ کے بعد اس نتیجے پر پہنچا کہ "صرف عقل" معرفتِ حق کی ضامن نہیں ہو سکتی، بلکہ وحی ہی وہ واحد راستہ ہے جس سے یقینی علم حاصل ہوتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"العقل كالسراج، والشرع كالنور، فلا يُستغنى بأحدهما عن الآخر."[29]

یعنی: عقل چراغ کی مانند ہے اور شریعت روشنی کی طرح؛ ان میں سے کسی ایک سے بھی بے نیازی درست نہیں۔

یہ تعبیر نہایت حکیمانہ ہے، جو امام غزالی کی فلسفیانہ بصیرت اور فقہی احتیاط کی جامع تصویر پیش کرتی ہے۔ وہ عقل کو نہ تو شریعت کا دشمن سمجھتے ہیں اور نہ اسے خود مختار مانتے ہیں، بلکہ عقل کو وہ مقام دیتے ہیں جہاں وہ شریعت کی خدمت کرے۔ ان کے نزدیک عقل ایک خادم ہے جو شریعت کے معانی، مقاصد اور حقائق تک رسائی کا ذریعہ بن سکتی ہے، بشرطیکہ وہ "نقل" کے زیرِ سایہ رہے۔

امام غزالی نے تہافت الفلاسفہ میں جہاں یونانی فلسفہ خصوصاً ابن سینا اور الفارابی کے بعض تصورات پر تنقید کی، وہاں انہوں نے یہ بھی تسلیم کیا کہ عقلی استدلال، جب وہ دینی اصولوں سے متصادم نہ ہو، تو وہ شرعی حقائق کی تعبیر و تفسیر میں مددگار بن سکتا ہے۔

---

[27] الشافعی، الرسالۃ، ص ۹۳، دار الفکر، بیروت، ۲۰۰۳

[28] النووی، المجموع شرح المھذب، ج ۱، ص ۶۴، دار الفکر، بیروت، ۱۹۹۷

[29] الغزالی، المنقذ من الضلال، ص ۹۲، دار المعرفۃ، بیروت، ۲۰۰۵

وہ فرماتے ہیں:

"نحن لا نذم العقل من حيث هو عقل، بل نذم استخدامه في غير مجاله، أو تقديمه على الوحي."[30]

یعنی: ہم عقل کو بطور عقل ملامت نہیں کرتے، بلکہ اس کے غلط استعمال یا وحی پر اس کی بالادستی کو مذموم قرار دیتے ہیں۔

اسی اعتدال کی روش احیاء علوم الدین میں بھی جلوہ گر ہے، جہاں امام غزالی نے تصوف کو شریعت کے ساتھ ہم آہنگ کیا، اور روحانیت کو عقل و نقل دونوں کے توازن میں پرویا۔ وہ فقہی اصولوں، اخلاقیات، عبادات اور معاشرتی آداب کو محض نقلی دائرے میں بند نہیں کرتے بلکہ ان کے باطنی و عقلی اسرار کی بھی وضاحت کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک:

"العقل آلة لفهم النقل، والنقل هادٍ للعقل؛ فلا تعارض بينهما إذا صُرفا في موضعهما."[31]

یعنی: عقل نقل کو سمجھنے کا آلہ ہے، اور نقل عقل کی رہنمائی کا ذریعہ؛ جب دونوں کو ان کے مناسب مقام پر استعمال کیا جائے تو ان میں کوئی تعارض باقی نہیں رہتا۔

امام غزالی کی تعلیمات کا نچوڑ یہ ہے کہ عقل و نقل کا تعامل شریعت میں محض اصطلاحی بحث نہیں بلکہ عملی حکمت ہے۔ وہ عقل کو جذبۂ تفکر عطا کرتے ہیں، مگر اس تفکر کو قرآن و سنت کی روشنی میں پروان چڑھاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے "علم الیقین" کے حصول کے لیے صوفیانہ مجاہدہ، فلسفیانہ استدلال اور فقہی التزام — تینوں کو جمع کیا، مگر سب کو وحی کے تابع رکھا۔

امام غزالی کا منہج عقل و نقل کے درمیان فلسفیانہ تطبیق اور عملی ہم آہنگی کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ وہ نہ عقل کو مطلق رد کرتے ہیں اور نہ نقل کو جامد سمجھتے ہیں، بلکہ ان دونوں کے درمیان ایسی روحانی و فکری مطابقت پیدا کرتے ہیں جس کے ذریعے دین کی فہم، تعلیم، تطبیق اور دعوت میں گہرائی اور حکمت پیدا ہوتی ہے۔ ان کی فکر نہ صرف ان کے زمانے میں مؤثر تھی، بلکہ آج بھی عقلی و نقلی کشمکش کے دور میں رہنمائی کا مینار ہے۔

برصغیر کے علماء کے ہاں عقل و نقل کی تفہیم و تطبیق

امام غزالی کے فلسفیانہ منہج میں عقل و نقل کی ہم آہنگی کی جو جھلک ہمیں قرونِ وسطیٰ میں نظر آئی، وہ برصغیر کے علماء کی علمی روایت میں ایک نیا ارتقائی رنگ اختیار کر گئی۔ برصغیر وہ خطہ ہے جہاں فقہ، تصوف، منطق، کلام، حدیث، تفسیر اور فلسفہ — سب علوم کا ایک ایسا امتزاج پیدا ہوا جس نے نہ صرف عقل و نقل کی تطبیق کو زندہ رکھا بلکہ اسے مقامی فکری و تمدنی تقاضوں کے مطابق جدید پیرایہ عطا کیا۔ یہاں کے علماء نے اپنی تالیفات، دروس، مکاتیب، اور مناظرات کے ذریعے اس بات کو ثابت کیا کہ عقل اگر نقل کے تابع ہو تو وہ فہمِ دین کو نئی وسعت عطا کرتی ہے، اور نقل اگر عقل کے ذریعے مدلل کی جائے تو وہ لوگوں کے دلوں میں یقین، اعتماد اور اطمینان پیدا کرتی ہے۔

سب سے پہلے ہمیں یہ روش امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ (م:1176ھ) کے علمی منہج میں ملتی ہے، جنہوں نے نہ صرف اصولِ فقہ، مقاصد الشریعہ، اور حدیث میں اجتہادی گہرائی پیدا کی بلکہ عقل و نقل کو ساتھ لے کر چلنے کا داعیہ بھی دیا۔ وہ لکھتے ہیں:

"الشرع والعقل لا يتضادّان، بل متوافقان، والعقل الصحيح من مؤيدات الشرع."[32]

یعنی: شریعت اور عقل میں کوئی تضاد نہیں، بلکہ دونوں میں توافق ہے، اور صحیح عقل شریعت کی مؤید ہوتی ہے۔

ان کے ہاں قرآن و سنت کی تشریح میں جو اعتدال اور وسعت نظر آتی ہے، وہ عقل و نقل کی متوازن تطبیق کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ انہوں نے قیاس، مصالح، اور عرف کو تسلیم کیا، اور متجدد مسائل میں نقل کی روح کو عقل کے ساتھ ہم آہنگ کرتے ہوئے امت کے لیے اجتہادی بصیرت فراہم کی۔

اسی طرح حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (م:1323ھ) اور مولانا اشرف علی تھانویؒ (م:1362ھ) جیسے اکابر علماء دیوبند کے ہاں فقہ حنفی کی روشنی میں عقل کو ایک اجتہادی آلہ تصور کیا گیا، مگر صرف اس وقت جب وہ قرآن و سنت اور اجماع سے متصادم نہ ہو۔ اشرف علی تھانویؒ نے فرمایا:

---

[30] الغزالی، تھافت الفلاسفۃ، ص ۷۱، دار المشرق، بیروت، ۲۰۰۴

[31] الغزالی، إحیاء علوم الدین، ج ۱، ص ۳۲، دار المنہاج، جدہ، ۲۰۰۵

[32] شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغۃ، ج ۱، ص ۱۲۲، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۲۰۰۵

"شریعت نے عقل کو بیکار نہیں کیا بلکہ اس کو تابع بنا کر استعمال کیا ہے۔"[33]

اسی اصولی منہج پر اہلِ سنت بریلوی مکتبِ فکر کے مایہ ناز فقیہ اور محدث، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خانؒ (م:1340ھ) بھی کاربند نظر آتے ہیں۔ انہوں نے عقل کو مقامِ اجتہاد میں استعمال کیا، مگر وحی کی بالادستی پر کوئی سمجھوتہ نہیں کیا۔ ان کے فتاویٰ میں کثرت سے ایسے عقلی دلائل موجود ہیں جو نقلی بنیادوں کے تابع ہوتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"عقل اگر شریعت کے تابع ہو تو چراغ ہے، ورنہ فتنہ۔"[34]

برصغیر میں عقلی اجتہاد کی ایک عظیم مثال علامہ شبیری عثمانیؒ (م:1369ھ) کی تفسیر فتح الملہم میں بھی پائی جاتی ہے، جہاں انہوں نے جدید علوم، سائنسی نظریات، اور مغربی فلسفہ کو اسلامی اصولوں کے دائرے میں رکھ کر مدلل گفتگو کی، اور عقل کو نہ صرف نقل کا تابع بنایا بلکہ اس کے ذریعے دین کو قابلِ فہم انداز میں پیش کیا۔

برصغیر کے معاصر علماء میں ڈاکٹر محمد طاہر القادری، مفتی محمد تقی عثمانی، اور ڈاکٹر محمود احمد غازی جیسے اہل علم نے بھی عقل و نقل کی تطبیق کو عصری اصولوں کے مطابق بیان کیا ہے۔ ان کے خطابات اور تحریریں اس بات کی دلیل ہیں کہ عقل اگر نصوص کے دائرے میں رہ کر استعمال ہو تو وہ دین کا خادم بن کر جدید انسان کی رہنمائی کا فریضہ بخوبی انجام دے سکتی ہے۔

برصغیر کے علماء نے عقل و نقل کی تطبیق کو نظریاتی و عملی سطح پر نہ صرف اپنایا بلکہ اسے فروغ دیا۔ انہوں نے عقل کو شریعت کا دشمن نہیں بلکہ خدمت گزار تسلیم کیا اور نقل کو جامد ظاہر کے بجائے زندہ معنویت عطا کی۔ اس علمی توازن نے برصغیر میں ایک ایسا فقہی و فکری ماحول پیدا کیا جس میں سنت و اجتہاد، نصوص و مصالح، اور عقل و وحی — سب مل کر امت کی راہنمائی کرتے ہیں۔

معروف اہل سنت علماء کے اجتہادی مناہج میں عقل و نقل کی رعایت

فقہ اسلامی کی تاریخ کا مطالعہ اس حقیقت کو عیاں کرتا ہے کہ اہل سنت والجماعت کے اکابر علماء نے عقل و نقل کے مابین نہ تصادم کو راہ دی اور نہ ایک کو دوسرے پر غالب کیا، بلکہ ان دونوں اصولوں کو متوازن انداز میں اپنایا۔ یہ وہ علمی اعتدال ہے جو فقہ، اصول، تفسیر، اور کلام کے میدان میں اہل سنت کا امتیازی وصف رہا ہے۔ چنانچہ ان کے اجتہادی مناہج میں ہمیں نقل (قرآن، سنت، اجماع) کی علمی بالادستی کے ساتھ ساتھ عقل (قیاس، مصالح، عرف، استدلال) کی رہنمائی کا تسلسل بھی نظر آتا ہے۔

علامہ فخر الدین رازیؒ (م:606ھ) جیسے مفسرین نے اپنی تفاسیر میں فلسفیانہ اور کلامی اسالیب کے ساتھ عقلی استدلال کو قرآن فہمی میں استعمال کیا، مگر ہمیشہ وحی کی روشنی میں۔ وہ فرماتے ہیں:

"العقل الصحيح لا يعارض النقل الصريح، وإنما يُستعمل لفهم معانيه وإزالة توهم التعارض."[35]

یعنی: صحیح عقل کبھی صحیح نقل سے متعارض نہیں ہوتی، بلکہ اس کا کام معانی کو سمجھنا اور تعارض کا ازالہ کرنا ہے۔

امام ابو بکر ابن العربیؒ (م:543ھ) نے اپنی شہرہ آفاق تفسیر أحکام القرآن میں قرآنی آیات سے احکام اخذ کرنے میں عقل کا استعمال کیا، مگر اس انداز میں کہ عقل و نقل کی حدود کی مکمل رعایت برقرار رہی۔ ان کے اجتہادی منہج میں قیاس، مصالح اور مقاصد کا عمل دخل ہے، مگر سب کچھ نصوص کی رہنمائی میں۔ انہوں نے فرمایا:

"الشرع عقل من خارج، والعقل شرع من داخل؛ فلا تعارض بينهما في أصل الدين."[36]

یعنی: شریعت خارجی عقل ہے اور عقل داخلی شریعت؛ پس دین کی اصل میں ان دونوں میں کوئی تصادم نہیں۔

---

[33], اشرف علی تھانوی، بیان القرآن، جلد اول، دیوبند، ۱۳۵۵ھ

[34], احمد رضا خان، فتاویٰ رضویہ، ج ۱، ص ۲۷، رضا فاؤنڈیشن، لاہور، ۲۰۰۵

[35], فخر الدین رازی، التفسیر الکبیر، ج ۱، ص ۲۱، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۲۰۰۱

[36], ابن العربی، أحکام القرآن، ج ۱، ص ۹، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۲۰۱۰

علامہ سیوطیؒ(م:911ھ) بھی اپنی کتاب الاشباہ والنظائر میں فقہی قواعد کو استنباط کے لیے استعمال کرتے ہوئے واضح کرتے ہیں کہ عقل، اگر شرعی اصولوں کی روشنی میں کام کرے، تو اجتہاد کو جلا بخشتی ہے۔ اسی طرح، علامہ ابن عابدین شامیؒ(م:1252ھ) اپنی کتاب رد المحتار میں اقوالِ ائمہ، عرفِ زمانہ، اور مصلحت کو اس انداز سے استعمال کرتے ہیں کہ شریعت کی روح مجروح نہ ہو۔

موجودہ دور کے اہل سنت اکابر میں مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کی تحریریں، بالخصوص اصول الاجتہاد، اور فقہ اسلامی کی تدوین جدید، عقل و نقل کی تطبیق کی زندہ مثال ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

"اجتہاد میں عقل کی کارفرمائی لازم ہے، لیکن ایسی عقل جو نصوص کے تابع ہو اور مصالح شرعیہ کے دائرے میں حرکت کرے۔"[37]

اہل سنت علماء میں سے امام احمد رضا خانؒ، اور علامہ سید احمد سعید کاظمیؒ جیسی شخصیات نے بھی اصولی و فقہی سطح پر ایسی علمی روش اپنائی جس میں عقل و نقل کی تطبیق نہایت مہارت اور دیانت کے ساتھ کی گئی۔ ان کے ہاں عقل کبھی نقل سے متصادم نہیں، بلکہ اس کی تابع فرمان قوت کے طور پر کام کرتی ہے۔

اہل سنت وجماعت کے جلیل القدر فقہاء، محدثین اور مفسرین نے عقل و نقل کے درمیان ایسا گہرا توازن برقرار رکھا جو نہ صرف فکری سطح پر مضبوط ہے بلکہ عملی اجتہاد میں بھی رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ ان کی تعلیمات سے یہ اصول اخذ ہوتا ہے کہ عقل، جب تک وحی کے تابع ہے، دین کی خدمت گزار اور اجتہاد کی معمار قوت ہے؛ لیکن اگر وہ وحی سے آزاد ہو جائے تو گمراہی کا دروازہ کھل جاتا ہے۔

عصرِ حاضر کے فکری چیلنجز اور عقل و نقل کی مشترکہ ضرورت

فقہ اسلامی میں عقل و نقل کا تعامل محض علمی یا نظریاتی موضوع نہیں بلکہ عصرِ حاضر میں اس کی اہمیت ایک عملی اور فکری ناگزیریت اختیار کر چکی ہے۔ موجودہ دور جسے جدیدیت، مابعد جدیدیت، الحاد، مادّیت، سائنسی عقلیت، اور ثقافتی نسبیت جیسے فکری طوفانوں کا سامنا ہے، وہاں اسلامی فکر اگر عقل و نقل دونوں کو یکجا نہ کرے تو نہ اجتہاد ممکن ہے، نہ دعوت مؤثر، نہ فتاویٰ کارآمد اور نہ تعلیماتِ دین قابلِ فہم۔ یہی وہ نکتہ ہے جو گذشتہ تمام ابحاث سے نکل کر اب عصری تناظر میں ہمارے سامنے آ کھڑا ہوتا ہے: کہ فقہِ اسلامی اگر آج کے انسان کی رہنمائی کرنا چاہتی ہے تو اسے وحی کے نور کے ساتھ عقل کی روشنی کو بھی بروئے کار لانا ہوگا۔

مغربی فلسفہ کی سب سے خطرناک شاخ "سیکولر ہیومنیزم" ہے، جو وحی کو مکمل طور پر مسترد کرتے ہوئے عقل کو مطلق اتھارٹی مانتی ہے۔ اس کے مقابلے میں بعض اسلامی طبقات محض نصوص کے ظاہر پر اصرار کرتے ہوئے عقل کے استعمال کو بدعت قرار دیتے ہیں۔ ان دونوں انتہاؤں کے درمیان فقہ اسلامی کی اصل روش وہی ہے جو نقل کو اساس اور عقل کو معاون بنائے۔ شیخ محمد الغزالی رحمہ اللہ نے بجا فرمایا:

"القرآن كتاب عقل، لا يتعامل إلا مع عقل سليم، وهو لا يقبل التقليد الأعمى."[38]

یعنی: قرآن عقل کی کتاب ہے، وہ صرف سلیم العقل افراد سے خطاب کرتا ہے، اور اندھی تقلید کو قبول نہیں کرتا۔

عصرِ حاضر کے چیلنجز میں صرف جدید سائنسی ایجادات نہیں بلکہ نظریاتی ابہام، اخلاقی بحران، صنفی مساوات کا غلط تصور، الیکٹرانک میڈیا کی تغیر آفرینی، مصنوعی ذہانت، بایو ٹیکنالوجی، اور ڈیجیٹل دنیا کا غیر محدود وسعت اختیار کرنا بھی شامل ہے۔ ان تمام مسائل میں صرف نقلی نصوص پر اصرار کافی نہیں جب تک کہ ان کی تعبیر عقلِ سلیم کے ذریعے نہ کی جائے۔

---

[37] تقی عثمانی، فقہ اسلامی کی تدوین جدید، ص۳۹، مکتبہ دارالعلوم کراچی، ۲۰۰۴

[38] محمد الغزالی، فقہ السیرۃ، ص۱۴، دارالشروق، قاہرہ، ۱۹۹۷

ڈاکٹر محمود احمد غازی فرماتے ہیں:

"عصرِ جدید میں اسلامی اجتہاد اس وقت تک ممکن نہیں جب تک عقل و نقل کو ہم آہنگ نہ کیا جائے۔ نصوص اپنے دائرہ میں کامل ہیں، لیکن ان کی تطبیق عقل کی مدد کے بغیر ممکن نہیں۔"[39]

اسی ضمن میں جدید اسلامی مالیات، وینٹی لیٹر پر موت کا تعین، اعضا کی پیوند کاری، مصنوعی تولید، بایو میڈیکل تحقیق، اقوامِ متحدہ کے چارٹر سے مطابقت، اور بین الاقوامی قانون جیسے مسائل کے حل میں نہ صرف نقل بلکہ عقلِ اجتہادی کی بھی ضرورت ہے۔ ان موضوعات پر کام کرنے والے مفتیان اور اہل علم اس وقت تک کوئی مؤثر رائے نہیں دے سکتے جب تک وہ نصوص کے ساتھ عقلِ فقیہ، مقاصدِ شریعت، اصولِ اجتہاد اور انسانی مصالح کو نہ سمجھیں۔

مولانا تقی عثمانی

"آج کا مفتی محض نقل کا حافظ نہ ہو، بلکہ عقل کا سلیم ناقد بھی ہو، تب ہی وہ شریعت کی روح کو زمانے پر منطبق کر سکے گا۔"[40]

اسلامی ریاستوں میں قانون سازی، اقلیتوں کے حقوق، معاصر میڈیا کا کردار، ماحولیاتی تحفظ، اور عالمی سیاسی نظم جیسے موضوعات پر بھی عقل و نقل کی مشترکہ حکمت عملی کے بغیر کوئی رہنمائی ممکن نہیں۔

عصرِ حاضر کے فکری چیلنجز نے امت مسلمہ کو اس مقام پر لا کھڑا کیا ہے جہاں محض ماضی پر انحصار یا عقل کو وحی سے آزاد کرنے کی پالیسی ناکام ہو چکی ہے۔ وقت کا تقاضا ہے کہ نقل کو بنیاد، اور عقل کو اجتہادی معاونت کا منصب عطا کر کے ایک ایسا مربوط، موزوں اور عصری فقہی منہج اختیار کیا جائے جو نہ صرف شرعی تقاضے پورے کرے بلکہ موجودہ دنیا کو دین کی حکمت، عدل اور رحمت سے روشناس کرا سکے۔

اجتہادی مقاصد میں عقل و نقل کی ہم آہنگی کا اصولی کردار

اسلامی فقہ میں اجتہاد ایک ایسا جلیل المرتبت عمل ہے جو نہ صرف نصوصِ شرعیہ کے معانی کی گہرائی تک رسائی فراہم کرتا ہے بلکہ بدلتے ہوئے زمان و مکان کے تناظر میں شریعت کی روح کو باقی رکھتے ہوئے نئے مسائل کے حل کا در کھولتا ہے۔ اجتہاد کی بنیاد ہمیشہ نصوص (نقل) پر ہوتی ہے، لیکن اس کی حرکت اور سمت عقلِ فقیہ کی رہنمائی سے طے پاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اجتہاد کی دنیا میں عقل و نقل کی ہم آہنگی ایک اصولی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔ یہ ہم آہنگی نہ ہو تو یا تو اجتہاد جامد ہو جاتا ہے، یا وہ وحی سے بغاوت میں ڈھل جاتا ہے۔

امام شاطبیؒ (م:790ھ) مقاصدِ شریعت کے اصول کو اجتہاد کی روح قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"كل اجتهاد لا ينظر إلى مقاصد الشريعة فهو ناقص باطل."[41]

یعنی: ہر وہ اجتہاد جو مقاصدِ شریعت کو پیش نظر نہ رکھے، وہ ناقص اور باطل ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ مقاصد کو سمجھنے کا ذریعہ کیا ہے؟ یقیناً نصوص ان کا سرچشمہ ہیں، مگر ان کی فہم، تطبیق، ترجیح، اور توسیع عقل ہی کے ذریعے ممکن ہے۔ چنانچہ یہاں عقل و نقل دونوں کا اشتراک ناگزیر بن جاتا ہے۔ مقاصدِ شریعت جیسے کہ: حفظِ دین، حفظِ جان، حفظِ نسل، حفظِ عقل، حفظِ مال — یہ وہ اصول ہیں جو اجتہاد میں فقہی احکام کی روح ہیں۔ نقل سے ان کی بنیاد ملتی ہے، مگر ان کا اطلاق اور اجتہادی انزال عقل سے ہوتا ہے۔ مثلاً حفظِ عقل کے تحت نشہ آور اشیاء کی حرمت تو نص سے ثابت ہے، مگر جدید زمانے میں مصنوعی نشہ، ذہنی اثر رکھنے والی دوائیاں، ڈیجیٹل گیمز کی لت، یا نشہ آور موسیقی جیسے مسائل میں حکم لگانے کے لیے عقل کا اجتہادی استعمال ناگزیر ہے۔

---

[39] محمود احمد غازی، محاضراتِ فقہ اسلامی، ج ا، ص ۳۷، دار السلطان، اسلام آباد، ۲۰۱۰

[40] تقی عثمانی، اصول الاجتہاد، ص ۵۵، دار الاشاعت، کراچی، ۲۰۰۶

[41] الشافعی، الموافقات، ج ۴، ص ۲۹۵، دار ابن عفان، دمام، ۱۹۹۷

ڈاکٹر یوسف القرضاوی لکھتے ہیں:

"فهم المقاصد يفتح آفاقاً جديدة للاجتهاد، ويجعل العقل الفقهي أكثر وعيًا بمراد الشريعة."[42]

یعنی: مقاصد کی فہم اجتہاد کے لیے نئے دروازے کھولتی ہے، اور عقلِ فقیہ کو شریعت کے مقاصد سے زیادہ ہم آہنگ بناتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اجتہاد کے تمام ذرائع — جیسے قیاس، استحسان، مصالح مرسلہ، عرف، سدّ ذرائع — ان میں عقل کا کردار بالواسطہ یا بلاواسطہ موجود ہے، مگر اس کی حرکت ہمیشہ نقل کے دائرے میں رہتی ہے۔ مثال کے طور پر قیاس میں علت کی تعیین عقل سے ہوتی ہے، مگر اصل حکم نقل سے لیا جاتا ہے۔ اسی طرح مصالح مرسلہ میں بھی عقل، شریعت کے عمومی اصولوں کی روشنی میں فیصلہ صادر کرتی ہے۔

معاصر اصولی مفکر، ڈاکٹر عبد الوہاب خلاّف فرماتے ہیں:

"العقل ليس خصماً للنقل، بل هو أداته في فهم أحكام الله وتنزيلها على الوقائع."[43]

یعنی: عقل نقل کی دشمن نہیں بلکہ وہ اس کی ایک ایسی آلہ ہے جس کے ذریعے اللہ کے احکام کو سمجھا جاتا ہے اور عملی حالات پر منطبق کیا جاتا ہے۔

لہٰذا یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اجتہاد، نقل کے بغیر بے بنیاد، اور عقل کے بغیر بے روح ہے۔ ان دونوں کے امتزاج سے ہی فقہی حکمت، عصری بصیرت، اور شرعی نظام کی جامعیت وجود میں آتی ہے۔

اجتہادی منہج میں عقل و نقل کا امتزاج صرف ایک علمی ضرورت نہیں بلکہ شریعت کی حکمت و مرونت کا مظہر ہے۔ عقل مقاصدِ شریعت کو بروئے کار لاتے ہوئے نقل کے اندر موجود وسعت و رحمت کو ظاہر کرتی ہے، اور نقل عقل کے اجتہاد کو حدود کا پابند بناتی ہے۔ یہ امتزاج اجتہاد کو نہ صرف ممکن بناتا ہے بلکہ اسے شرعی اتھارٹی کے دائرے میں محفوظ بھی رکھتا ہے۔

عقل و نقل کی تفہیم میں غلطی کے اسباب اور ان کا علاج

اسلامی فکر اور فقہ کے باب میں عقل و نقل کی تطبیق ایک نہایت دقیق و متوازن عمل ہے، جس میں معمولی سی لغزش دین کی تعبیر و تطبیق کو یا تو تحجر کی کھائی میں گرا دیتی ہے یا لبرل گمراہی کے دہانے تک لے جاتی ہے۔ چودہ صدیوں کی فقہی تاریخ میں جہاں فکری اجتہاد نے گراں قدر خدمات انجام دیں، وہیں عقل و نقل کی تفہیم میں ہونے والی غلطیوں نے فتنے، تفرقے اور گمراہی کو بھی جنم دیا۔ ان غلطیوں کے اسباب کو سمجھنا اور ان کا علاج تلاش کرنا، ہر طالب علمِ دین اور فقیہ کے لیے از حد ضروری ہے۔

پہلا بڑا سبب عقل کی مطلق آزادی ہے۔ جب عقل کو وحی کی قیود سے آزاد کر دیا جائے تو وہ اپنی لامحدود تاویلات کے ذریعے نصوص کو معنی سے محروم کر دیتی ہے۔ یہی منہج جدید مستشرقین، فلسفی معتزلہ، اور جدید قرآن پرست حلقوں کا ہے۔ ان کے ہاں عقل نہ صرف وحی پر حاکم ہے بلکہ بعض اوقات اسے رد بھی کر دیتی ہے، جیسا کہ نصِ قطعی کے خلاف عقلی تاویلات کیے جاتے ہیں۔

امام شافعیؒ نے فرمایا:

"من استعمل عقله في رد النص، فقد ضل سواء السبيل."[44]

یعنی: جس نے عقل کو نصوص کے رد میں استعمال کیا، وہ صراطِ مستقیم سے بھٹک گیا۔

دوسرا بڑا سبب نقل کی جامد تفہیم ہے، جس کے باعث اجتہاد، تجدید، اور تطبیق کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ بعض حلقے نقل کے ظاہر پر اتنے جمود کا شکار ہوتے ہیں کہ عقل کے لیے اجتہاد، قیاس یا مصالح کا در بھی بند کر دیتے ہیں، حالانکہ صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین نے عقل کو ہمیشہ نقل کے تابع رہ کر استعمال کیا۔ امام ابن قیمؒ اس پر تنبیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[42] یوسف القرضاوی، الاجتہاد المعاصر، ص ۶۱، دار الشروق، قاہرہ، ۲۰۱۲

[43] یوسف القرضاوی، الاجتہاد المعاصر، ص ۶۱، دار الشروق، قاہرہ، ۲۰۱۲

[44] شافعی، الرسالۃ، ص ۶۳، دار المعرفۃ، بیروت، ۲۰۰۴

"الوقوف مع ظاهر النص دون فهم معناه ومراده، تعطيل للعقل وتضييع للشريعة."[45]

یعنی: نص کے ظاہر پر ٹھہر جانا، بغیر اس کے معنی و مراد کو سمجھے، عقل کو معطل کرنے اور شریعت کو ضائع کرنے کے مترادف ہے۔

تیسرا سبب نصوص کے سیاق و سباق اور مقاصد سے صرفِ نظر ہے۔ شریعت ایک حکیمانہ نظام ہے جو محض الفاظ نہیں بلکہ معانی، مقاصد، حکمت اور مصالح سے بھی عبارت ہے۔ اگر کسی آیت یا حدیث کو صرف الفاظ کے ظاہر پر لے کر عقل کے بغیر سمجھنے کی کوشش کی جائے تو احکام کی روح ضائع ہو جاتی ہے۔ شیخ محمد الطاہر بن عاشورؒ نے فرمایا:

"إعراض الناس عن المقاصد أدّى إلى تحجّر الفقه، وإعراضهم عن النصوص أدّى إلى تسيّب الفكر."[46]

یعنی: مقاصد سے غفلت نے فقہ کو جامد بنایا اور نصوص سے اعراض نے فکر کو بے مہار کر دیا۔

ان غلطیوں کا علاج صرف "اعتدال" میں ہے، یعنی عقل کو شریعت کے دائرے میں رکھ کر استعمال کرنا، اور نقل کو اس کی حکمت و روح کے ساتھ سمجھنا۔ اس کے لیے درج ذیل رہنما اصول ناگزیر ہیں:

1 عقل و نقل کے دائرہ کار کو سمجھنا: عقل کا کام فہم، تطبیق اور استنباط ہے، جبکہ نقل ہدایت اور اتھارٹی کا سرچشمہ ہے۔

2. نصوص کی فہم میں سیاق، سباق اور مقاصد کا لحاظ: فقہی اجتہاد تب ہی معتبر ہو گا جب وہ نصوص کی معنوی گہرائی، عرف، مصالح اور احوال کے ساتھ مربوط ہو۔

3. علمی تربیت اور اصولی بصیرت: اجتہاد عقل کی پرواز کا نام ضرور ہے، مگر اس کی پرواز اس وقت معتبر ہوتی ہے جب وہ اصول الفقہ، قواعد فہمِ نصوص، اور فقہی روایت کی تربیت سے ہو۔

4. اکابر کے منہج سے وابستگی: ائمہ اربعہ، امام غزالی، امام ابن تیمیہ، امام شاطبی، اور معاصر مجتہدین کا طرزِ فکر وہ آئینہ ہے جس میں عقل و نقل کی تطبیق کا اعتدال نظر آتا ہے۔

عقل و نقل کی تفہیم میں ہونے والی غلطیوں کا سبب یا تو عقل کا غلو ہے یا نقل کا جمود۔ ان کا علاج صرف اسی میں ہے کہ عقل، وحی کی رہنمائی میں اپنی فعالیت جاری رکھے اور نقل، عقل کے وسیلے سے زندگی کی نئی جہتوں میں مؤثر انداز میں نافذ ہو۔ یہی وہ توازن ہے جو اسلامی فقہ کو ہر دور میں زندہ، متحرک، اور قابلِ اطلاق بناتا ہے۔

فقہی اختلافات میں عقل و نقل کی تطبیق کی مثالیں

فقہی تاریخ میں اختلافات نہ صرف علمی وسعت کی علامت ہیں بلکہ وہ عقل و نقل کی تطبیق کے عملی مظاہر بھی ہیں۔ جب مختلف ائمہ نے کسی نص پر غور کیا، تو ان کے استنباط میں جو فرق ظاہر ہوا، وہ دراصل نص کی تفہیم، سیاق، عرف، اور مصالح جیسے اجتہادی امور کے مختلف زاویے تھے۔ ان اختلافات سے نہ شریعت میں کوئی نقص پیدا ہوا اور نہ ہی دین میں تشتت، بلکہ ان میں عقل و نقل کی ہم آہنگی کی کئی تابناک مثالیں ملتی ہیں۔

مثال کے طور پر سورۂ مائدہ کی آیت:

﴿فاغسلوا وجوھکم وأیدیکم إلی المرافق﴾[47]

اس آیت میں "إلی المرافق" کا مفہوم سبھی ائمہ نے نقل سے لیا، لیکن "کوع شامل ہے یا نہیں؟" اس پر عقل نے کام کیا۔ امام ابو حنیفہؒ نے کہا کہ "إلی" کا مطلب "شامل" ہوتا ہے، اس لیے کہ قرآن کے دوسرے مقامات پر بھی یہی اسلوب استعمال ہوا ہے، جیسے:

﴿ثم أتموا الصیام إلی اللیل﴾[48]

---

[45], ابن قیم، إعلام الموقعین، ج ۱، ص ۴۲، دار ابن الجوزی، دمام، ۲۰۰۳

[46], ابن عاشور، مقاصد الشریعة الإسلامیة، ص ۹۵، دار السلام، قاہرہ، ۲۰۰۶

[47], المائدة:6

[48], البقرہ:187

یہاں "اِلی اللیل" سے مراد یہ نہیں کہ روزہ مغرب سے پہلے ختم ہو جائے، بلکہ رات شامل ہے، تو یہاں بھی کہنی شامل ہے۔ یہی عقل کا عمل ہے جس نے نقل کی تعبیر کو واضح کیا [49]

اسی طرح سورۂ نساء میں آیت:

﴿فإن خفتم ألا تعدلوا فواحدة﴾[50]

یہاں سے "عدل" کی شرط پر تعددِ ازواج کو محدود کیا گیا۔ بعض نے کہا کہ یہ ظنی شرط ہے اور عدل کا مفہوم عقلی ہے۔ امام شافعیؒ اس کے ظاہر پر رہے اور عقل کی تحدید سے گریز کیا۔ امام ابو حنیفہؒ نے یہاں عدل کو ایک نوعی عدل (یعنی تقسیمِ وقت وغیرہ) پر محمول کیا اور عقلی سہولت کو ملحوظ رکھا۔[51]

اسی طرح قصرِ نماز کے مسئلے میں بھی مختلف فقہی آرا میں عقل و نقل کی تطبیق کا کردار نمایاں ہے۔ قرآن میں ارشاد ہے:

﴿وإذا ضربتم في الأرض فليس عليكم جناح أن تقصروا من الصلاة﴾[52]

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ "ضرب فی الارض" کے لیے کوئی مخصوص مسافت شرط نہیں، بلکہ عرف اور مسافر کی نیت کافی ہے۔ امام شافعیؒ نے 89 کلومیٹر، اور امام ابو حنیفہؒ نے 77 کلومیٹر کی حد بیان کی۔ یہ سب نص کی بنیاد پر عقل کے ذریعے اجتہاد کا نتیجہ ہے۔[53]

اذانِ جمعہ کے مسئلے میں بھی یہی تطبیق نظر آتی ہے۔ حضرت عثمانؓ کے دور میں جب نمازیوں کی کثرت ہوئی تو اذان مسجد نبوی سے پہلے الگ مقام پر دینے کا حکم دیا گیا۔ احناف نے اس کو اجتہاد قرار دے کر تسلیم کیا۔ دیگر فقہاء نے کہا کہ یہ اجتہاد نہیں بلکہ بدعت ہے۔ یہاں "سنتِ خلفاء راشدین" اور "اجتہادِ مصلحت" کی عقل و نقل میں تطبیق کے مختلف پہلو نظر آتے ہیں [54]

اسی طرح بیع العینۃ، تملیک بالہبہ، اور حیل فقہیہ جیسے معاملات میں بھی احناف، شوافع، مالکیہ اور حنابلہ کے مابین اختلافات عقل و نقل کی تعبیر پر مبنی ہیں، اور ان سے واضح ہوتا ہے کہ فقہی اختلاف در حقیقت فکری اجتہاد کا نتیجہ ہے، نہ کہ وحی سے انحراف۔

فقہی اختلافات اسلام کی جمالیاتی و اجتہادی قوت کا عکاس ہیں۔ ان اختلافات میں نہ صرف عقل و نقل کی تطبیق کی روشنی جھلکتی ہے بلکہ یہ امت کو وسعتِ فکر، گنجائشِ عمل اور سعتِ شریعت کا درس دیتے ہیں۔ ان اختلافات سے معلوم ہوتا ہے کہ نقل اگر بنیاد ہے تو عقل اس کی فہم کی کنجی، اور اگر عقل فقیہانہ ہو تو وہ نقل کے تابع رہ کر اجتہاد کی راہیں کھولتی ہے۔

اسلامی ریاست میں قانون سازی کے عمل میں عقل و نقل کی تطبیق

اسلامی ریاست کا تصور محض خلافت یا سلطنت کے سیاسی اداروں تک محدود نہیں، بلکہ اس کا سب سے اہم دائرہ قانون سازی ہے، جو فقہی اصولوں اور اجتہادی بصیرت سے تشکیل پاتی ہے۔ اس عمل میں عقل و نقل کی تطبیق ایک بنیادی اصول ہے، کیونکہ ایک طرف قرآن و سنت کی قطعی رہنمائی ہے، اور دوسری طرف بدلتے ہوئے

---

[49], ابن ہمام، فتح القدیر، ج 1، ص ۵۹، دار الفکر، بیروت، ۲۰۰۴

[50], النساء:3

[51], السرخسی، المبسوط، ج ۵، ص ۳، دار المعرفۃ، بیروت، ۱۹۹۳

[52], النساء:101

[53], قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ج ۵، ص ۲۴۳، دار الکتب المصریہ، قاہرہ، ۲۰۰۶

[54], ابن قدامہ، المغنی، ج ۲، ص ۲۱۰، دار الفکر، بیروت، ۲۰۰۳

حالات، تمدنی تقاضے، اور ریاستی مصالح کا دباؤ بھی موجود ہوتا ہے۔ پس اگر قانون سازی صرف نقل پر ہو اور عقل کو بالکل معطل کر دیا جائے تو وہ عملی زندگی کی پیچیدگیوں کا ساتھ نہیں دے سکتی، اور اگر صرف عقل کو اختیار دے دیا جائے اور نقل کو نظر انداز کر دیا جائے، تو وہ شریعت سے انحراف کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ اسلامی ریاست کا فقیہانہ منہج یہی ہے کہ عقل و نقل باہم مربوط ہو کر قانون سازی کی بنیاد فراہم کریں۔

اسلامی ریاست کی بنیاد حضرت عمر بن الخطابؓ کے دور میں جن خطوط پر استوار ہوئی، وہاں عقل و نقل کی تطبیق کے درخشاں نمونے نظر آتے ہیں۔ انہوں نے سزاے سرقہ (چوری کی سزا) جیسے قطعی حکم کی تطبیق میں حالات کا لحاظ رکھا اور قحط کے سال میں ہاتھ کاٹنے کی سزا معطل کر دی۔ یہ عقل کا استعمال تھا، مگر نقل کے دائرے میں رہتے ہوئے، کیونکہ نصوص کا مقصد صرف ظاہری سزا نہیں بلکہ عدل کا قیام ہے:

"إن الله أمر بالعدل والإحسان، فإذا لم يتحقق العدل فليس في النص ما ينافي التأجيل."[55]

اسی طرح خراج، زکوۃ، بیت المال، اقلیتوں کے حقوق، جزیہ، معاہدات، خارجی پالیسی، تجارتی قوانین، اقامتی نظم یہ سب وہ قانونی دائرے ہیں جہاں وحی نے اصولی رہنمائی دی، اور عقل نے اجتہادی طور پر ان اصولوں کو عملی نظام میں ڈھالا۔ مقاصدِ شریعت یہاں سب سے زیادہ معاون بنتے ہیں کیونکہ یہ وہ بنیادی ستون ہیں جن پر عقل و نقل کا امتزاج استوار ہوتا ہے۔

جدید اسلامی ریاستوں میں جیسا کہ پاکستان، ایران، ملائیشیا، سعودی عرب، ترکی، سوڈان وغیرہ—شریعت کی روشنی میں قانون سازی کرتے وقت مختلف ادارے قائم کیے گئے، جیسے:

اسلامی نظریاتی کونسل (پاکستان)

مجلسِ فقہی (ملائیشیا)

مرکز الدراسات الفقهية (قطر)

ان اداروں میں جو فقہی آرا مرتب کی جاتی ہیں، ان میں ایک طرف قرآن و حدیث کے نصوص کا مطالعہ ہوتا ہے اور دوسری طرف جدید علوم، معاشی و سیاسی تقاضے، اور انسانی حقوق کے معیارات کو بھی دیکھا جاتا ہے۔ مثلاً اسلامی بینکنگ، کرپٹو کرنسی، ماحولیاتی فتاویٰ، اور مصنوعی ذہانت کے فقہی پہلو—یہ سب عقل و نقل کی تطبیق سے ہی وجود پذیر ہو رہے ہیں۔

شیخ محمد رشید رضا لکھتے ہیں:

"لا تقوم الشريعة مقامها الحقيقي في الدولة إلا إذا جمعت بين النصوص والعقل، فإن الجمود على أحدهما إفساد للدين والدولة معاً."[56]

اسی طرح ڈاکٹر فضل الرحمن (پاکستان) اور ڈاکٹر محمود احمد غازی نے متعدد مقالات میں اس بات پر زور دیا کہ شریعت کی عملداری اس وقت ہی ممکن ہے جب جدید تقنین کے ذرائع، جیسے اصولِ قانون، بین الاقوامی قانون، اور معاشی ڈھانچوں کو شریعت کے ساتھ ہم آہنگ کر کے ترتیب دیا جائے۔

اسلامی ریاست میں قانون سازی صرف آیات و احادیث کو نافذ کرنے کا نام نہیں، بلکہ ایک ایسا فقہی، اخلاقی اور عقلی عمل ہے جس میں نصوصِ شریعت اور عقلِ اجتہادی ایک دوسرے کے مددگار بن کر ریاستی نظم کو اسلامی بنیادوں پر استوار کرتے ہیں۔ یہی عقل و نقل کی تطبیق ہے جو ریاست کو نہ صرف شرعی اساس عطا کرتی ہے، بلکہ عصرِ حاضر کے مسائل میں ایک موزوں اور مستحکم راہ بھی فراہم کرتی ہے۔

---

[55] ابن تیمیہ، السیاسۃ الشرعیۃ، ص ۳۵، دار المعرفۃ، بیروت، ۲۰۰۵

[56] رشید رضا، تفسیر المنار، ج ۵، ص ۱۹۹، دار المعرفۃ، بیروت، ۲۰۰۳

عقل و نقل کی تطبیق کا مستقبل: دینی اداروں اور جامعات کی ذمہ داریاں

فقہی ارتقاء کی تاریخ میں عقل و نقل کی تطبیق ہمیشہ وہ اہم عنصر رہا ہے جس نے اسلامی شریعت کو ہر دور میں قابلِ عمل، ہمہ گیر، اور آفاقی رکھا۔ تاہم عصرِ حاضر میں یہ تطبیق محض ایک علمی موضوع نہیں بلکہ امتِ مسلمہ کی فکری بقا، تعلیمی بیداری، اور اجتہادی احیاء کی بنیاد بن چکی ہے۔ یہی وہ نکتہ ہے جہاں دینی مدارس، جامعات، اور علمی مراکز کی ذمہ داریاں نہایت سنجیدہ اور ہمہ گیر ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ اب صرف متون کی قرأت اور تقلیدی فقہ کافی نہیں، بلکہ ایسے نصاب، مناہج، اور تربیتی ماڈل درکار ہیں جو عقل و نقل کو بیک وقت پروان چڑھائیں۔

بدقسمتی سے بعض دینی ادارے صرف نقلی علوم پر زور دے کر عقل و اجتہاد کو معطل کر رہے ہیں، اور بعض جامعات صرف عقلی علوم کو بنیاد بنا کر وحی سے روگردانی کر رہی ہیں۔ ان دونوں کے درمیان ایک فکری پل تعمیر کرنا وقت کا ناگزیر تقاضا ہے، اور یہ ذمہ داری صرف دینی مدارس اور جامعات ہی ادا کر سکتی ہیں۔ ڈاکٹر یوسف القرضاوی فرماتے ہیں:

"لن تنجح النهضة الإسلامية إلا إذا انطلقت من الجامعات الإسلامية التي تُؤمِن بالعقل والنقل معًا، وتُدرّب طلابها على الاجتهاد المتزن."[57]

یعنی: اسلامی بیداری اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک اسلامی جامعات عقل و نقل پر بیک وقت یقین نہ رکھیں، اور متوازن اجتہاد کی تربیت نہ دیں۔

اس ذمہ داری کی ادائیگی کے لیے درج ذیل پہلو کلیدی اہمیت رکھتے ہیں:

1. نصاب میں اصلاح: موجودہ درسی نظام کو اس طرح ترتیب دیا جائے کہ جہاں نحو، صرف، منطق، فقہ، اصول، تفسیر، حدیث ہوں، وہیں علم الکلام جدید، فلسفہ معاصر، بین الاقوامی قانون، معاشیات، عمرانیات، اور سائنسی مناہج بھی شامل ہوں۔

2. اجتہاد کی تربیت: طلبہ کو صرف تقلیدی فتاویٰ حفظ نہ کرائے جائیں، بلکہ ان میں اجتہادی مہارت، تنقیدی تفکر، اور نصوص سے براہِ راست استنباط کی صلاحیت پیدا کی جائے۔ جیسے کہ امام شاطبیؒ فرماتے ہیں:

"المقاصد لا يدركها إلا فقيهٌ بصير، يجمع بين النقل والفكر، والحفظ والتحليل."[58]

3. علمی اداروں کے درمیان ربط: دینی مدارس اور جدید جامعات کے مابین علمی مکالمے، سیمینارز، اور تحقیقاتی اشتراک کو فروغ دیا جائے تاکہ ہر طبقہ دوسرے سے علمی طور پر مستفید ہو سکے۔

4. اساتذہ کی تربیت: اساتذہ کی تربیت کا خصوصی اہتمام کیا جائے تاکہ وہ نہ صرف نصوص کے حافظ ہوں بلکہ عقل و اجتہاد کے ماہر بھی ہوں، اور طلبہ کو فکر و فقہ کا زندہ شعور دے سکیں۔

5. تحقیقی مراکز کا قیام: ایسے تحقیقی ادارے قائم کیے جائیں جہاں علماء اور مفکرین مل بیٹھ کر جدید مسائل پر عقل و نقل کی روشنی میں اجتماعی اجتہاد کر سکیں، جیسا کہ مجمع الفقہ الإسلامی یا دار الافتاء العالمیۃ جیسے اداروں میں ہوتا ہے۔

دینی مدارس اور جامعات اگر عقل و نقل کی تطبیق کو اپنے مناہج کا مرکزی ستون بنا لیں، تو نہ صرف امت مسلمہ علمی زوال سے نکل سکتی ہے، بلکہ اسلامی فقہ ایک بار پھر جدید انسان کے لیے رہنمائی فراہم کرنے کے قابل ہو جائے گا۔ اب وقت ہے کہ یہ ادارے اپنے محدود دائرے سے نکل کر ایک ہمہ جہت علمی تحریک کا آغاز کریں — جو عقل و نقل، وحی و اجتہاد، ماضی و مستقبل، اور روایت و تحقیق کو ایک جگہ جمع کر دے۔

---

[57] القرضاوی، الصحوۃ الإسلامیۃ بین الجحود والتطرف، ص ۷۹، دار الصحوۃ، قاہرہ، ۲۰۰۰

[58] شاطبی، الموافقات، ج ۴، ص ۲۹۷، دار ابن عفان، دمام، ۱۹۹۷

خلاصہ بحث

زیرِ نظر تحقیق بعنوان "منہجِ استنباط و استخراج میں عقلی و نقلی تطبیق کا تحقیقی تجزیہ" دراصل فقہی و اصولی مناہج میں عقل و نقل کے باہمی تعامل اور اس کے اثرات کو عصری تناظر میں واضح کرنے کی ایک سعیِ علمی ہے۔ اسلامی فقہ، اپنی اصل میں، نہ صرف وحی پر مبنی ایک خدائی نظام ہے بلکہ اس میں عقل کو وہ مقام حاصل ہے جو فہمِ نصوص، اجتہاد، اور تطبیقِ احکام کے لیے ناگزیر ہے۔ اسی تناظر میں اس تحقیق نے یہ ثابت کیا کہ عقل و نقل کا رشتہ تضاد نہیں بلکہ تکمیل و تعامل کا ہے، اور ان دونوں کی ہم آہنگی ہی فقہ اسلامی کی روحِ اجتہاد کو زندہ رکھتی ہے۔ ابتداءً بحث میں عقل و نقل کے مفاہیم، دائرۂ کار اور تاریخی سیاق کو واضح کیا گیا، جس سے معلوم ہوا کہ ائمہ اربعہ اور فقہائے سلف نے ہمیشہ عقل کو وحی کے تابع رہ کر استعمال کیا۔ اسی کے بعد تحقیق نے استنباطی منہج میں عقل و نقل کی مشترکہ حیثیت کو اصول الفقہ کی روشنی میں بیان کیا، اور یہ واضح کیا کہ قیاس، مصالح مرسلہ، عرف، استحسان اور سدّ ذرائع جیسے اصول عقلی اجتہاد کی بنیاد ہیں، لیکن ان کی مشروعیت نقلی دلائل سے وابستہ ہے۔

تحقیق کا مرکزی حصہ اس تطبیقی پہلو پر مرکوز رہا کہ فقہی اختلافات، اجتہادی مناہج، اور اسلامی ریاست کی قانون سازی میں عقل و نقل کی تطبیق کس طرح ظہور پذیر ہوتی ہے۔ اس ضمن میں مختلف فقہی مسائل — جیسے قصرِ صلاۃ، تعددِ ازواج، حدود و تعزیرات، معاصر مالیاتی نظام، اور مصنوعی ذہانت کے فتاویٰ — کے ذریعے تطبیق کی عملی مثالیں پیش کی گئیں۔

علاوہ ازیں، تحقیق نے یہ بھی واضح کیا کہ عقل و نقل کی تفہیم میں انحراف یا عدم توازن امت کے فکری بگاڑ، فقہی جمود یا لبرل انحراف کا باعث بنتا ہے۔ اس کا علاج اعتدال، اصولی بصیرت، اور علمی تربیت سے ممکن ہے۔ چنانچہ آخری حصے میں دینی مدارس، اسلامی جامعات، اور تحقیقی اداروں کی ذمہ داریوں کو نمایاں کرتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا کہ اگر ان علمی اداروں نے عقل و نقل کی تطبیق کو اپنی علمی روایت میں مرکزی حیثیت دے دی، تو نہ صرف اجتہاد کی راہیں کھلیں گی بلکہ اسلامی فقہ ایک بار پھر عصرِ حاضر کے انسان کے لیے نجات دہندہ بن سکے گی۔

مختصر یہ کہ یہ تحقیق عقل و نقل کی دو جہتی قوتوں کو باہم مربوط کر کے ایک ایسے استنباطی منہج کی وکالت کرتی ہے جو نہ جامد ہو نہ غیر مقیّد، نہ متحجر ہو نہ آزاد خیال، بلکہ ایسا معتدل اور اصولی ہو جو دین کی روح، شریعت کی غایت، اور عصر کی حقیقت — تینوں کو یکجا کر سکے۔

مصادر و مراجع

1. الشاطبی، ابو اسحاق ابراہیم بن موسیٰ. الموافقات فی أصول الشریعۃ. جلد 4. دمام: دار ابن عفان، 1997۔
2. القرضاوی، یوسف. الاجتہاد المعاصر بین الانضباط والانفلات. قاہرہ: دار الشروق، 2012۔
3. ابن تیمیہ، احمد بن عبد الحلیم. السیاسۃ الشرعیۃ فی إصلاح الراعی والرعیۃ. بیروت: دار المعرفۃ، 2005۔
4. الغزالی، ابو حامد محمد. المستصفی من علم الاصول. قاہرہ: المکتبۃ التجاریۃ الکبری، 1937۔
5. ابن قیم الجوزیہ، محمد بن ابی بکر. اعلام الموقعین عن رب العالمین. جلد 1. دمام: دار ابن الجوزی، 2003۔
6. السرخسی، شمس الائمہ محمد بن احمد. المبسوط. جلد 5. بیروت: دار المعرفۃ، 1993۔
7. الشافعی، محمد بن ادریس. الرسالۃ. بیروت: دار المعرفۃ، 2004۔
8. ابن عاشور، محمد الطاہر. مقاصد الشریعۃ الاسلامیۃ. قاہرہ: دار السلام، 2006۔
9. رشید رضا، محمد. تفسیر المنار. جلد 5. بیروت: دار المعرفۃ، 2003۔
10. ابن قدامہ، موفق الدین عبد اللہ. المغنی. جلد 2. بیروت: دار الفکر، 2003۔
11. ابن ہُمام، محمد بن عبد الواحد. فتح القدیر شرح الہدایۃ. جلد 1. بیروت: دار الفکر، 2004۔
12. القرطبی، محمد بن احمد. الجامع لأحکام القرآن. جلد 5. قاہرہ: دار الکتب المصریہ، 2006۔
13. عبد الوہاب خلاف. علم اصول الفقہ. کویت: دار القلم، 1970۔

14. فضل الرحمٰن. اسلام اور جدیدیت. لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، 1982۔
15. ڈاکٹر محمود احمد غازی. محاضراتِ فقہ اسلامی. جلد 2. اسلام آباد: بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، 2008۔
16. امام مالک بن انس. الموطأ. تحقیق: محمد فؤاد عبد الباقی. بیروت: دار احیاء التراث العربی، 1985۔
17. امام ابو حنیفہ. فقہ اکبر. ترجمہ و شرح: مولانا خالد سیف اللہ رحمانی۔ کراچی: ادارہ فلاح الدارین، 2007ء۔
18. فرید الانصاری. منہج التلقي عند الصحابة. رباط: دار السلام المغرب، 2010۔
19. عبد المجید الغوری. تطبیق مقاصد الشریعة فی العصر الحدیث. ریاض: مرکز التجدید الفقہی، 2014۔
20. بین الاقوامی اسلامی فقہی کونسل. قرارات و توصیات. جدہ: مجمع الفقہ الاسلامی، 2016۔